ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

آوازِ دوست از مختار مسعود: تعارف و خصائص

AWAZ-I DOST BY MUKHTAR MASOOD: INTRODUCTION AND CHARACTERISTICS

***محمد شمشیر**

پی ایچ ڈی سکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

****ڈاکٹر عبد الستار ملک**

استاد شعبۂ اردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

Mukhtar Masood offered his services in senior government positions in Pakistan for almost forty years, while maintaining his connection with literature. He authored six books in which "Awaaz-e-Dost," introduced him as a unique and eloquent prose writer, often compared to literary giants like Maulana Muhammad Hussain Azad and Maulana Abul Kalam Azad. His writings draw inspiration from Islam, Aligarh and Pakistan. In c he enriches his prose with valuable Poetic literary devices such as similes, metaphors, proverbs, idioms, symbols, humor, verbal economy, verbal repetition, comparison, impossibility, contradiction, analogy, and rhyme, which add charm and richness to his style. This research article provides a brief introduction of "Awaaz-e-Dost" and covers its features through examples.

***Key Words**: Mukhtar Masood, Awaaz-e-Dost, Qahtur Rijal*

مختار مسعود کا تعلق کشمیری خاندان سے تھا۔ والد کا نام شیخ عطاء اللہ اور والدہ کا نام شاہ بیگم تھا۔ شیخ عطاء اللہ نے میٹرک گجرات سے اے دیال سنگھ کالج لاہور اور ایم اے (معاشیات) اسلامیہ کالج لاہور سے کیا تھا۔ پہلے مرے کالج سیالکوٹ میں معاشیات کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ بعد میں انیس سال تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں معاشیات کے پروفیسر رہے۔ آزادی کے بعد فوری طور پر پاکستان نہ آسکے، کیونکہ ان کے بیٹے مختار مسعود کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے (معاشیات) کی ڈگری لینے میں ایک سال باقی تھا۔

”والد محترم نے آزادی کے بعد مزید ایک تعلیمی سال کے لیے علی گڑھ میں قیام کیا تاکہ میں ایم اے مکمل کر سکوں (1)“۔

۱۹۴۸ء کو پاکستان آنے کے بعد شیخ عطاء اللہ ہیلی کالج آف کامرس لاہور سے منسلک ہو گئے اور ریٹائرمنٹ کے بعد چنیوٹ میں اسلامیہ کالج قائم کر کے اس کے پرنسپل کے طور پر خدمات انجام دیں۔ انھوں نے علامہ اقبال کے خطوط مرتب کر کے "اقبال نامہ" کے نام سے شائع کیے۔ جلد اوّل ۱۹۴۰ء اور جلد دوم ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔ ۱۹۶۸ء میں وفات پائی۔

مختار مسعود ۱۹۲۶ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ (سرکاری دستاویزات میں ان کی تاریخ پیدائش ۱۹۲۷ء ہے۔) چار برس کی عمر میں والدین کے ساتھ علی گڑھ چلے گئے۔ ۱۹۳۳ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سکول میں پہلی جماعت میں داخل کیے گئے۔ ۱۹۴۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا :

"مارچ میں میٹرک کا امتحان ہوا اور مئی میں نتیجہ نکل آیا۔ ۴۳ فی صد طلبہ فیل ہو گئے۔ پاس ہونے والوں میں سے نوے طلبہ کی تھرڈ ڈویژن آئی۔ یونیورسٹی کے تینوں ثانوی مدرسوں کے طالب علموں میں سے صرف چودہ فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے۔ ان میں، میں بھی شامل تھا۔"(۲)

۱۹۴۴ء میں علی گڑھ کالج سے ایف اے پاس کر کے پانچویں پوزیشن حاصل کی۔ ایف اے میں ساڑھے پانچ سو طلبہ شریک ہوئے تھے، جن میں دو سو طلبہ فیل ہوئے تھے اور ۱۲ کی تھرڈ ڈویژن آئی تھی۔ مختار مسعود نے بی اے کا امتحان مئی ۱۹۴۶ء میں دیا۔ دو مہینے بعد نتیجہ نکلا اور انھوں نے تیسری پوزیشن حاصل کی:

"شاہ محمد ہادی عطا ۲۸۸ نمبروں کے ساتھ اوّل آئے۔ نثار کے نمبر ۲۷۳ ہیں۔ تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے (مختار مسعود) کے نمبر ۲۷۰ ہیں۔ یہ ۱۹۴۶ء کی بات ہے۔ اس وقت کون یہ سوچ سکتا تھا کہ ۱۹۸۴ء میں اس کی بیٹی عالیہ مسعود پنجاب یونیورسٹی کے بی اے کے امتحان میں ڈویژن اور پوزیشن کے اعتبار سے باپ کے برابر آ کر کھڑی ہو جائے گی۔"(۳)

۱۹۴۸ء میں مختار مسعود نے معاشیات میں ایم اے کیا اور یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی۔ انھوں نے ایم اے میں "اقتصادیات کے اسلامی اصول" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔ مختار مسعود طالب علمی کے دور میں ہی تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے۔ وہ یونیورسٹی میں مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن کے رکن اور عہدہ دار رہے:

" ۱۹۴۷ء میں جب تحریک آزادی اپنی عروج پر تھی اور برصغیر میں انگریز راج کا سورج عوامی جدوجہد سے غروب ہونے والا تھا، تو مختار مسعود اس وقت علی گڑھ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر کی حیثیت سے اس جدوجہد کے ہر اول دستے کے شہسوار تھے۔" (۴)

قیام پاکستان کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۴۸ء کو مختار مسعود اپنے والدین کے ہمراہ پاکستان تشریف لے آئے۔ کراچی میں اکنامکس انوسٹی گیٹر کے طور پر ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۹ء کو اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور سول سروس آف پاکستان کے پہلے امتحان میں کامیابی حاصل کی:

ایک روز میں اپنے ساز و برگ میں ایک کنواں، ایک کتاب اور پلے میں مضبوطی سے باندھی ہوئی ایک نصیحت لے کر سول سروس آف پاکستان میں شامل ہو گیا۔ خوش تھا۔ کیوں نہ ہوتا کہ میرا انتخاب سامراج کی چاکری کے لیے نہیں ہوا، اسلامی جمہوریہ پاکستان کی انتظامیہ کے لیے ہوا ہے۔(۵)

مختار مسعود نے انتالیس سال تک ملازمت کی۔ وہ اسسٹنٹ کمشنر، ڈپٹی کمشنر، کمشنر، سیکرٹری وزارت خزانہ، ایڈیشنل سیکرٹری وزارت خزانہ اور ایڈیشنل سیکرٹری منصوبہ بندی کمیشن کے عہدوں پر فرائض انجام دیتے رہے۔ پندرہ سال تک حکومت پاکستان کے وفاقی سیکرٹری کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ وہ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۲ء تک ایران میں آر سی ڈی کے سیکرٹری جنرل کے عہدے پر فائز رہے۔ یہ عہدہ سفیر کے برابر ہوتا ہے۔ وہ ریٹائرمنٹ کے بعد پاکستان ایڈمنسٹریٹو سٹاف کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ ۱۵ اپریل ۲۰۱۷ء کو لاہور میں وفات پائی۔

گورنمنٹ ملازمت کے دوران ترقی، شہرت اور مقبولیت سمیٹنے کے ساتھ ساتھ مختار مسعود نے ادب میں اپنی الگ پہچان بنائی۔ ان کی چھ کتابیں اشاعت پذیر ہوئیں، جن میں آوازِ دوست، سفر نصیب، لوحِ ایام، حرفِ شوق، تاریخ کے عینی شاہد (انگریزی) اور مغربی پاکستان کی سرزمین کا جائزہ (انگریزی) شامل ہیں۔ تاہم ان کی تصنیف "آوازِ دوست" سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔ اردو ادب کے نثری سرمائے میں بہت کم نثر پاروں نے وہ وقعت اور اہمیت حاصل کی ہے جو مختار مسعود کی کتاب "آواز دوست" کو ملی ہے۔ مختار مسعود نے اس کتاب کے ذریعے خود کو ایک منفرد اور صاحب طرز نثر نگار کے طور پر منوایا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۳ء کو منظر عام پر آئی اور اپنی نکھری ہوئی مصفا نثر اور جاندار اسلوب کے باعث اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل کیا۔ یہ کتاب فنی اور معنوی دونوں زاویوں سے لاثانی و بے نظیر ہے۔ کتاب کے شروع میں "انتساب" دیا گیا ہے، جسے پڑھ کر اس کی ندرت کا احساس اجاگر ہوتا ہے اور اس پر آزاد نظم کا گمان ہونے لگتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"پر کاہ اور پارۂ سنگ"

کے نام۔ وہ پرکاہ جو والدہ مرحومہ کی قبر پر اگنے والی گھاس کی پہلی پتی تھی اور

وہ پارۂ سنگ جو والد مرحوم کا لوح مزار ہے۔" (۶)

اگلے صفحے پر آتے ہیں تو تین چھوٹی سطروں اور چار چھوٹے جملوں کا ایک مختصر اور انوکھا دیباچہ پڑھنے کو ملتا ہے اور بقول سید ضمیر جعفری:

"مختصر دیباچے ہم نے پہلے بھی دیکھے ہیں لیکن اس جیسا اُردو پر سفیدی کے برابر دیباچہ ہماری نظر سے پہلے نہیں گزرا۔ انھوں نے گویا السلام علیکم کہہ کر کتاب کی کنجی قاری کے ہاتھ میں تھما دی۔"(۷)

آگے دو طویل مضامین ہیں، جن کے عنوانات "مینار پاکستان" اور "قحط الرجال" سے تیوری میں بل پڑنے لگتا ہے کہ بہت ہی پامال، روایتی اور خشک موضوعات سے سابقہ پڑا ہے۔ لیکن مختار مسعود نے اپنے شان دار و دلکش اسلوب، لہجے کے اخلاص و دردمندی اور وسیع علم و مطالعے کی بدولت ان خشک و پھیکے موضوعات میں ایک ایسی جان ڈال دی ہے کہ قاری ایک خوشگوار حیرت کے احساس کے ساتھ پوری کتاب کو ایک ہی نشست میں تمام کرنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ دونوں مضمون طویل ہیں لیکن مختار مسعود کے ڈرامائی اسلوب کے باعث طوالت گراں نہیں گزرتی اور دلچسپی برقرار رہتی ہے۔

"مینار پاکستان" میں مختار مسعود اہرام مصر سے لے کر ایفل ٹاور تک دنیا کے بہت سے میناروں کے طرز تعمیر اور مقاصد تعمیر پر سیر حاصل بحثیں کرتے ہیں۔ دفاعی، علامتی، یادگاری، اسلامی اور بلڈی ٹاورز جیسے مختلف اقسام کے میناروں کے نقوش صفحۂ قرطاس کے ساتھ ساتھ قاری کے دل و دماغ پر بھی ثبت کر دیتے ہیں۔ چین میں دیوار چین کے دفاعی میناروں، لنکا کے ساحل کے روشن مینار ،لندن کے خونی برج اور ویسٹ منسٹر کتھیڈرل کے مینار، فرانس کے روئن کتھیڈرل اور ایفل ٹاور، پیسا اور بولونا کے حمیدہ میناروں، مسجد بنوامیہ کے دنیائے اسلام کے سب سے پہلے مینار، دمشق اور قیروان کے میناروں، جرقورغان، بخارا، وابکند، سمرقند اور خیوہ کے میناروں، اندلس، غزہ اور الخلیل کے میناروں، منوڑہ، سکھر، لائل پور، شیخوپورہ اور گڑھی شاہو کے میناروں اور چندیری کے شمال مغربی پہاڑ پر بابر کے بنائے گئے دشمنوں کے سروں کے مینار کا ذکر ایجاز و اختصار مگر جامع انداز میں یوں کرتے ہیں کہ قاری کو حیرت زدہ اور مسحور کر دیتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ علی گڑھ تحریک، دو قومی نظریے تحریک آزادی ہند، جدوجہد حصول پاکستان اور فسادات کا ذکر بھی اپنے فلسفیانہ و عالمانہ نقطہ ہائے نظر، اردو اور فارسی کے برمحل اشعار اور طنز کی چاشنی کے ساتھ موثر انداز میں بیان کر دیتے ہیں۔" نقوش" کے مدیر لکھتے ہیں:

"کتاب کا پہلا مضمون "مینار پاکستان" ہے۔ جو ہے تو اپنے مینار کے بارے میں مگر انھوں نے تو م ڈالا ہے دنیا جہاں کے میناروں کو، جیسے جیسے یہ اِدھر اُدھر لپکے ویسے ویسے انھوں نے ہمارے ذہنوں کو بھی گھما ڈالا۔ یعنی علم کے بوجھ سے ایسا چکرایا کہ بے سدھ کر دیا۔ جب ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ یہ مضمون صرف مینار پاکستان پر نہیں بلکہ تاریخ پاکستان پر بھی ہے۔"(۸)

دوسرے مضمون "قحط الرجال" میں عظیم ہستیوں اور مشاہیر کے بارے میں تاثرات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ شخصیتیں مختلف بلکہ متضاد شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن مختار مسعود نے نہایت مہارت و ہنرمندی سے ان کو ایک ہی لڑی میں پرو کر ایک مضمون میں سمیٹا ہے۔ تسلسل اور ربط کے لیے انھوں نے اپنے آٹو گراف البم کا استعمال کیا ہے۔ اس مضمون میں کل تیرہ شخصیات کے خاکے ہیں۔ محمد ابراہیم شاہ کیوچن، نواب بہادر یار جنگ، ای ایم فوسٹر، ملا واحدی، حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، نواب بھوپال محمد حمید اللہ خان، راجہ محمود آباد، مارشل ٹیٹو، سروجنی نائیڈو، ٹائن بی اور قائد اعظم۔ ان مشاہیر پر اظہار خیال کے ساتھ ساتھ دنیا جہاں کے بادشاہوں، سیاست دانوں، فلسفیوں، سپہ سالاروں، پیغمبروں، مورخوں، ادیبوں، مصوروں، گلوکاروں، تاجروں اور سائنس دانوں کا ذکر بھی دلچسپ، پر اثر اور عالمانہ انداز میں کیا ہے۔ مشاہیر کے یہ خاکے پڑھتے ہوئے قاری مختار مسعود کی جادوئی شخصیت اور علمیت سے بھی مرعوب ہو جاتا ہے۔ انھوں نے بین السطور خود کو ابھارنے اور منوانے کی کامیاب کوشش کی ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

"اس مضمون میں انھوں نے دوسروں کو اجاگر کرنے کی بجائے اپنے علم کو زیادہ انڈیل دیا ہے۔انھوں نے جس شخصیت پر بھی قلم اٹھایا اسے تو رکھا پس منظر میں لیکن بہانے بہانے سے، اپنی تصویر کو شوخ رنگوں میں ابھار دیا۔اس مضمون میں خود نمائی کا ایک ایسا چکر ہے جس کی زد میں راجہ محمود آباد بھی آئے، غریب چو این لائی بھی ، حتی کہ ڈاکٹر اقبال بھی۔"(۹)

"آواز دوست" دلکش، اچھوتے اور منفرد طرز تحریر کا حامل ہے۔ یہ کتاب جدت ادا، ندرت خیال، فکری بلند پروازی، فنی رچاؤ، اچھوتے پیرائے ، تازہ کارانہ جمالیاتی اظہار اور حسن کاری کا ایک نادر نمونہ ہے۔ مختار مسعود چنے ہوئے الفاظ، تراشیدہ جملوں اور کیف آگیں خیال کے ذریعے ایک طلسماتی جمالیاتی فضا کی تخلیق کرتے ہیں۔ ان کی تحریر میں کچھ ایسی سوگواریت، گداز اور دل آسائی ہے کہ قاری اس کے سحر میں گرفتار ہو کر روحانی حظ کشید کرنے لگتا ہے۔انھوں نے اپنی نثر میں تشبیہ، استعارہ، ضرب المثل، محاورہ، علامت، طنز، کفایت لفظی، تکرار لفظی، موازنہ، قول محال، تضاد، تجنیس، تلمیح اور قافیہ جیسے شعری صنائع و محاسن کا استعمال کر کے اسے پر اثر اور شاعرانہ بنایا ہے۔پروفیسر نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

"ادب کی تاریخ ایسی مثالوں سے خالی نہیں جن میں بعض نثر نگار تاثیر و توانائی اور دلکشی و دلبری سے شاعروں کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔واقعہ یہ ہے کہ بعض نثر نگاروں کی نثر شاعری کی بلند ترین لطافتوں کو نہ صرف چھو لیتی ہے بلکہ لطف و لذت کے اعتبار سے بہت سے شاعروں کی شاعری کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔ مختار مسعود بھی ان معدودے چند نثر نگاروں میں سے ہیں جن کی نثر کو بہت سے مشہور و ممتاز شاعروں کی شاعری پر ترجیح دی جاسکتی ہے۔(۱۰)

تشبیہ اور استعارہ تحریر کے حسن اور رعنائی کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ مختار مسعود کے ہاں بیان کے ان محاسن کا برجستہ، موزوں اور دلکش استعمال اظہار میں دلآویزی اور شگفتگی کا وسیلہ بنتے ہیں۔چند جملے ملاحظہ ہوں:

"روم کے سپاہی پورس کے ہاتھی بن گئے"۔(۱۱)

گل تھا کہ آج بلبل پر نثار ہو رہا تھا"۔ (۱۲) "

"بلبل ہند کو چمنستان علی گڑھ میں جس گلاب کی کشش کھینچ لائی ہے اسے نواب اسمٰعیل کہتے ہیں"۔(۱۳)

لنکا کے جزیرے کی شکل نقشے میں دیکھی تو گمان گزرا جیسے قدرت کی آنکھوں سے خشکی کا آخری قطرہ ٹپک کر سمندر میں گر پڑا ہو"۔(۱۴)

"آواز دوست" ایجاز و اختصار اور کفایت لفظی کا بھی شاہکار ہے۔ مختار مسعود بڑے بڑے علمی نکات اور فلسفیانہ مباحث چند سطروں میں سمیٹ کر بیان کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔بقول سید ضمیر جعفری:

"الفاظ کی کفایت سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے ان کو ایک ایک لفظ خرید کر لکھنا پڑا ہے"۔(۱۵)

کتاب کا انتساب اور دیباچہ کفایت لفظی کی بہترین مثالیں ہیں۔ فلیش بیک کی تکنیک سے بھی مختار مسعود نے جگہ جگہ کام لیا ہے اور اس کے ذریعے اپنی تحریر میں نکھار اور ڈرامائیت پیدا کی ہے۔ وہ بات کے دوران ذرا ٹھہر کر قاری کو ماضی کی سیر کرا کر واپس لاتے اور پھر بات کو تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ انتہائی مہارت سے ماضی اور حال میں غیر محسوس جوڑ لگاتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

"میں نے پوچھا اس مینار کی بنیادیں کتنی گہری ہیں اور ان میں کون سا مسالا لگایا گیا ہے۔ جواب ملا کہ ماہرین کے تجزیے اور تحقیق کے مطابق بنیادیں بہت گہری کھودی گئی ہیں اور ان کی پائیداری کے لیے اعلیٰ درجے کا ریختہ استعمال کیا ہے۔ میں نے دل میں سوال دہرایا، یہ تو پہیلی تھی، جس میں بنیادوں کی گہرائی سے مراد محض یادوں کی گہرائی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کیں، میرے سامنے سنگِ بنیاد نصب کرنے کا منظر تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔لارڈ لٹن نے کہا، میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ پتھر درست اور موزوں طرح سے نصب ہو گیا ہے۔ یہ اعلان جنوری ۱۸۷۷ء کو علی گڑھ میں کیا گیا تھا۔ یہ درست اور موزوں طور سے نصب ہونے والا پتھر یوں تو ایک کالج کا سنگ بنیاد تھا مگر جس روز یہ نصب ہوا گویا اس روز مینار پاکستان کی بنیادیں بھی بھری گئیں"۔(۱۶)

صنعتِ تضاد کے استعمال سے بھی مختار مسعود نے اپنی عبارت کو تاثیر اور حسن سے سرفراز کیا ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں:

"ایک کو زندگی نے معترض زیادہ دیے اور دوسرے کو معترف۔"(۱۷)

"فتوحات ان کے حصے میں آتی ہیں جو شکست نا آشنا ہوں"۔(۱۸)

"دل اگر صحن مسجد نہیں بن سکا تو کیا غم کم از کم بتکدہ تو نہیں رہا"۔(۱۹)

"آواز دوست" میں جگہ جگہ طنز بھی ملتا ہے۔ مختار مسعود کا طنز بہت کاٹ دار، سبق آموز اور دردناک ہوتا ہے۔ ایک مثال پیش کرتا ہوں:

"میں نے سر اٹھا کر اس نوجوان لڑکی کو دیکھا۔ دوپٹہ ندارد، قمیص کی آستینیں ندارد، آنکھوں میں حیا ندارد، بال کھلے، گریبان کھلا، فقرے اور لباس چست، یہ انداز خدمت اسلام کے نہیں خدمت خلق کے ہوتے ہیں"۔(۲۰)

"آواز دوست" کے فقروں میں کہیں کہیں قافیے کا التزام بھی کیا گیا ہے اور دل موہ لینے والے فقرے تخلیق کیے ہیں:

"مسلمانوں پر کیا افتاد پڑی کہ نہ دیوانے پیدا ہوئے اور نہ فرزانے"۔(۲۱)

گفتار میں فرد اور کردار میں مرد"۔ (۲۲) "

"بڑے آدمی انعام کے طور پر دیے جاتے ہیں اور سزا کے طور پر روک لیے جاتے ہیں"۔(۲۳)

مختار مسعود نے "آواز دوست" میں تحریر کو موثر و رواں بنانے کے لیے قرآنی آیات اور احادیث کے علاوہ فارسی اور اردو کے اشعار کے مناسب استعمال سے بھی کام لیا ہے۔ نیز مختلف مشاہیر اور مفکرین کے اقوال و فرمودات سے بھی اپنی تحریر کو جلا بخشی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

"سپنگلر نے کہا معاشرہ فرد کی طرح پیدا ہوتا ہے اور زندگی کے مختلف ادوار سے گزرتا ہوا موت سے ہمکنار ہوتا ہے"۔(۲۴)

"نیوٹن نے کہا تھا میں علم کے بحر ذخار کے کنارے سیپیاں چن رہا ہوں"۔ (۲۵)

"میرا ذہن اس وقت برنارڈ شا کے اس مقولے پر غور کرنے میں مصروف تھا کہ وہ مقام جہاں خواہش قلبی اور فرض منصبی کی حدیں مل جائیں اسے خوش بختی کہتے ہیں"۔ (۲۶)

مختار مسعود نے "آواز دوست" میں جگہ جگہ ایسے ایسے جملے پرو دیے ہیں جنھیں ہم ان کے اقوال زریں کہہ سکتے ہیں:

"نئی بنیادیں وہی لوگ بھر سکتے ہیں جو اس راز سے واقف ہوں کہ پرانی بنیادیں کیوں بیٹھ گئیں "۔ (۲۷)

"علی گڑھ ایک چھوٹا سا پاکستان ہے اور پاکستان ایک بڑا سا علی گڑھ "۔ (۲۸)

"قحط میں موت ارزاں ہوتی ہے اور قحط الرجال میں زندگی"۔ (۲۹)

"ہنرور کی قدر ناشناسی سے بے ہنری کو فروغ ملتا ہے۔ کم ظرف کو سر آنکھوں پر بٹھایا جائے تو اشراف کی عزت میں کمی ہو جاتی ہے"۔ (۳۰)

مختار مسعود کا اسلوب ان کی ہمہ گیر، سحر انگیز اور دبنگ شخصیت کا آئینہ دار ہے، جب کہ ان کی شخصیت سر تا پا علی گڑھ کی ساختہ پرداختہ ہے۔ علی گڑھ چونکہ اسلام، تحریک آزادی اور قیام پاکستان کا عکاس ہے۔ اس لیے مختار مسعود کے اسلوب میں بھی اسلام، آزادی اور پاکستان رچ بس گئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مختار مسعود: حرف شوق: لاہور، فائن بکس پرنٹرز: اشاعت دوم ستمبر ۲۰۱۷ء، ص ۱۷

۲۔ ایضاً، ص ۲۰۰

۳۔ ایضاً، ص ۲۱۸

۴۔ الطاف یوسفزئی، ڈاکٹر: مختار مسعود کا اسلوب: فیصل آباد، مثال پبلشرز: ۲۰۱۳ء، ص ۱۳

۵۔ مختار مسعود: حرف شوق: ص ۴۳۱

۶۔ مختار مسعود: آواز دوست: لاہور، نقوش پریس طبع اکتیسواں فروری ۲۰۱۰ء، ص ۵

۷۔ ضمیر جعفری، سید: مشمولہ، تنقیدی مقالات پشاور، شعبہ اردو پاور یونیورسٹی : ۱۹۹۶ء، ص ۹۷۔

۸۔ محمد طفیل: معظم: لاہور، نقوش پریس : ۱۹۷۴ء، ص ۱۹۱۔

۹۔ ایضاً ، ص ۱۹۳

۱۰۔ نظیر صدیقی، پروفیسر، مشمولہ، تنقیدی مقالات، پشاور، شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی : ۱۹۹۶ء ص ۸۷-۸۸

۱۱۔ مختار مسعود: آواز دوست: ص ۱۹۴

۱۲۔ ایضاً ، ص ۱۸۰

۱۳۔ ایضاً ، ص ۱۷۵

۱۴۔ ایضاً ، ص ۱۶

۱۵۔ ضمیر جعفری، سید: مشمولہ، تنقیدی مقالات ص ۹۷

۱۶۔ مختار مسعود: آواز دوست: ص ۲۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۱۸۔ ایضاً، ص

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۲۱۔ ایضاً، ص ۷۰

۲۲۔ ایضاً، ص ۸۷

۲۳۔ ایضاً، ص ۷۰

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۹۱

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۹۸

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۱

۲۷۔ ایضاً ص ۱۹۰

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۷

۲۹۔ ایضاً، ص ۴۷

۳۰۔ ایضاً، ص ۷۲